سُوْرَةُ النِّسَاء کی تفسیر Lesson 15: An-Nisa (Ayaat 163 - 176): Day 47

آج کے سبق کا مرکزی خیال؛ انبیاء کرامؑ کے تذکرے کے ساتھ سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے۔ اِس میں یہ بتا دیا گیا کہ ہر دور کے نبیؑ کا پیغام تقریباً ایک ہی تھا۔ اللہ کے نبیؐ سے پہلے بھی نبیؑ آئے تھے۔ خاص طور پر اللہ کے آخری نبیؐ بطور حجت پیش کیئے جائینگے۔ تا کہ کوئی قیامت کے دِن یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو اللہ کا پیغام ہی نہیں ملا۔

آج کے سبق کا خاص موضوع غلو ہے۔ یعنی دین میں کمی بیشی۔ و ساکن ہے۔ معنی افراط و تفریط۔ دین کے معاملے میں اللہ کی حدود میں نہ رہنا، اُن کو تبدیل کر دینا غلو ہے۔ اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرنا کہ فرائض کو چھوڑ کر دوسری باتوں پر توجہ دینا۔ اللہ کے نبیؐ کی ذات میں غلو کرنا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمارا دِل کھول دے۔

آج کی آیات کا اگلا موضوع ہے کہ لوگوں کی وجہ سے اپنے فرائض ادا نہ کرنا۔ ماحول کا حصّہ بن جانا۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ مثال عیسیٰؑ کی دی گئی ہے۔ کہ اصل مومن وہ ہے جو تنہائی میں بھی ویسی ہی نماز پڑھے جیسے کسی اعلیٰ ترین درجے کے ہوٹل میں جا کر پڑھے۔ پھر نیک لوگوں کے لئے خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو اپنی طرف آنے کا راستہ دکھائے گا۔ اور یہ کہ اللہ کی طرف آنے کے راستے کونسے ہیں جن پر رحمتیں ملیں گیں۔

وراثت کے بارے میں کلالہ پر بھی بات ہو گی۔ جو پیچھے بیان نہیں ہوئی تھی۔ یہاں اُس کا بیان ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُودَ
زَبُورًا ﴿163﴾

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح [علیہ السلام] اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی، اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف۔ اور ہم نے داؤد [علیہ السلام] کو زبور عطا فرمائی۔ (163)

اِس رکوع کے شروع میں انبیاءؑ اور رسولوںؑ کے ذِکر کا ایک خوبصورت گلدستہ نظر آتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ایسے کئی گلدستے سجے ہوئے نظر آتے ہیں جہاں اللہ کے نبیوں، رسولوں اور اُن کی اولادوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ (علیہ السلام)

پچھلی آیات سے ربط اس طرح ہے کہ پیچھے یہود کا ذِکر آیا تھا تو یہاں اُن انبیاء کرامؑ کا ذِکر کیا جا رہا ہے کہ تم پر پہلے بھی نبی بھیجے گئے تھے۔ اللہ کے نبیؐ کا تمہاری طرف بھیجا جانا ایک سعادت اور خوش قسمتی ہے۔ یہود اللہ کے نبیؐ سے کہتے تھے کہ ہمارے پاس ایک کتاب لاؤ تو یہاں اُس بات کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے ماننا ہو تا تو پہلے بھی نبی بھیجے تھے۔

یہود اللہ کے نبیؐ کو صرف تنگ کرنا چاہتے تھے۔

بعض اوقات ہم جب کسی سے کچھ سیکھنا چاہتے ہیں تو دو طرح کا انداز ہوتا ہے کہ ایک طنزیہ انداز جس میں دوسرے کو آزمایا جانا مقصود ہوتا ہے یا تنگ کرنا۔

اور دوسرا اچھے انداز سے سے علم کے لئے تڑپ کا اظہار کرنا اور شوق سے کچھ سیکھنا ہے۔

حضرت نوحؑ کا ذِکر آرہا ہے۔ یہاں دو دفعہ أَوْحَيْنَا کا لفظ آرہا ہے۔ ہم عام طور پر وحی کہتے ہیں۔ اس میں ح ساکن ہے۔ وح ی۔ معنی خفیہ اشارہ.Whisper۔ اور اصل معنی ہیں کہ فرشتے کا نبی یا رسول کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آنا۔ اللہ کے نبیؐ پر بھی جبرائیلؑ اللہ کا پیغام لے کر آئے۔ پہلی دفعہ غارِ حرا میں وحی نازل ہوئی۔

عام لوگوں کی طرف بھی یہ خفیہ اشارہ ہو سکتا ہے۔ سورۃ نحل میں اللہ فرماتا ہے؛ اوحینا الی النحل یعنی شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔ تو یہاں دیکھیں کہ وحی سے مراد خفیہ اشارہ۔ پھر آگے جا کر سورۃ القصص میں آئے گا کہ ہم نے اُمِّ موسیٰ کی طرف وحی کی۔ یعنی بات اُن کے دِل میں ڈال دی۔ جب غیر نبیؑ کی طرف یہ بات ہو تو اِس کے معنی ہونگے کہ اُس کے دِل میں اللہ نے وہ بات ڈال دی۔ الہام کر دینا۔ اُس کو سکھا دینا۔ فطرت میں بات ڈال دی۔

علماء کرامؒ نے اس بات کی طرف بھی دلائل دیئے ہیں کہ نبوت کا سلسلہ آدمؑ سے کیوں نہیں شروع ہوا؟ نوحؑ سے کیوں شروع ہوا؟ سادہ جواب تو یہ ہے کہ نوحؑ پہلے صاحبِ شریعت نبیؑ تھے۔ جب آدمؑ آئے تو انسانیت سادہ اور بھولی تھی۔ لوگ اتنے گناہگار نہیں ہوئے تھے۔ مثال جیسے بچّہ چھوٹا ہوتا ہے

توسادہ ہوتا ہے اتنا بولتا بھی نہیں اور گناہ کا بھی نہیں پتا ہوتا۔ پہلے لوگ گناہ کرتے تھے اور شرمندہ ہوتے تھے پھر لوگ گناہ کرکے ڈھیٹ ہو گئے۔

لوگوں کے دلوں میں بغض نہیں تھا۔(آپ بھی اگر محسوس کریں کہ دِل پر بوجھ ہے تو دوسروں کو معاف کر دیں۔ دِل صاف کر لیں۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائینگی۔)

آدمؑ کے زمانے میں اتنے گناہ نہیں تھے اس لئے پہلا وقت ایسے ہی گُزر گیا۔

پھر نوحؑ کو صاحبِ شریعت بنایا گیا۔ حلال و حرام بیان کئیے گئے۔ نوحؑ کی قوم پہلی قوم تھی جن پر اللہ کا عذاب آیا۔

یہاں وحی کا لفظ آیا ہے کتاب کا نہیں؛ مفسرین کہتے ہیں کہ پوری کتاب کا نزول نبوت کی شرط نہیں ہے۔ نبیؑ کے لئے صرف وحی اور صحیفے بھی کافی ہیں۔ ابراہیمؑ پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ صرف صحیفے نازل ہوئے۔

۔۔۔ وَالنَّبِيِّينَ مِنۢ بَعۡدِهِۦ وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ وَٱلۡأَسۡبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيۡمَٰنَ وَءَاتَيۡنَا دَاوُۥدَ زَبُورٗا ۔

یہاں نوٹ کریں کہ جوڑوں Pairs. میں بات ہوئی؛ اور یاد رکھیں کہ اس دوران میں بھی نبیؑ آئے تھے۔ کل ایک لاکھ چوبیس یا 25 ہزار انبیاؑ کرامؑ آئے تھے لیکن قرآن پاک میں صرف 26 انبیاء کرامؑ کا ذِکر ہے۔

آپ دیکھیں کہ تین دفعہ اوحینا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ایک تو نوحؑ کے لئے اوحینا، پھر کچھ اور نبیؑ آئے تھے جیسے صالح، شعیب، شیث، ھود تھے۔ پھر بعد والے نبیوںؑ کے لئے اوحینا کا لفظ آیا۔

یہود پہلے والے نبیوںؑ سے حسد نہیں کرتے تھے کیونکہ یا تو وہ دُور والے علاقوں سے تھے یا بہت پہلے۔ اس لئے یہاں اُن انبیاء کرامؑ کا ذِکر آیا ہے جن کو یہود مانتے تھے۔

یہاں سب انبیاء کرام کا تعلق ایک ہی خاندان سے تھا، اس لئے اُن کا ذِکر آیا ہے۔ یہاں سب بنی اسرائیل کے قابلِ ذِکر نبیوں کا ذِکر ہے۔" وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا "داؤدؑ کا الگ سے ذِکر ہے کیونکہ آگے کتاب کا ذِکر ہے۔

زبور کا لفظ ذزب رسے ہے۔ لکھنے کو کہتے ہیں۔ یہ بنیادی طرز پر نظمیں تھیں۔ ان میں اللہ کی حمد و ثنا تھی۔ ہر دور میں اللہ نے انبیاؑ کو مختلف کتابیں دیں۔

تورات موسیٰؑ پر نازل ہوئی۔ اِس میں شریعت اور قانون تھا۔ آج بھی تورات نام سے مشہور ہے۔

دوسری کتاب زبور اُتری۔ زبور میں ذِکر اذکار اور حمد تھی۔

انجیل عیسیٰؑ کی زندگی کے آخری خطبات تھے۔ جمع بعد میں ہوئے تھے۔ یہ بنیادی طور پر اخلاقیات کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یعنی اچھے اخلاق پر۔ جو عام طور پر عیسائیوں میں نظر آتے ہیں۔

قرآن پاک ایک مکمل کتاب ہے جو اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوئی۔

تورات کے پیغام سورہ مائدہ میں آ گئے ہیں۔ زبور کے تمام مضامین پارہ 27 اور 28 کی وہ تمام سورتیں ہیں جو سبح یا یسبح سے شروع ہوتی ہیں۔ انجیل اور اخلاقیات کے پیغام ہمیں سورۃ حجرات اور سورہ نور میں مل جاتے ہیں۔

عبادات، عقائد، جہاد، اور اللہ کا مکمل پیغام قرآن پاک میں ہیں۔ ہم بہت خوش قسمت ہیں۔ ہمیں سب کچھ مل گیا۔ اسلام پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ مکمل رہنمائی کی گئی ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴿164﴾ اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے اور موسیٰ [علیہ السلام] سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔ (164)

اللہ کے نبیؐ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو دوسرے انبیاء کرامؑ کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔

قَصَصْنَا: ق ص ص۔ یعنی پیچھے پیچھے چلنا۔ نقشِ قدم پر چلنا۔ یعنی جب کوئی قصّہ بیان کرتا ہے تو سُننے والا اُسکے پیچھے کہانی سُن رہا ہوتا ہے۔ قصّہ یعنی کہانی، واقعہ۔

"اور آپ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے آپ سے بیان کئے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کئے۔۔۔" یعنی ہجرت سے پہلے آپ کو انبیاء کرام کے قصّے بیان کئے تھے۔

اللہ کے نبیؐ نے ہمیں سب کچھ بتا دیا۔ قرآن کے علاوہ احادیثؐ کے ذریعے بھی ہم تک کئی باتیں پہنچیں۔

وحی کا پیغام کیسے آیا۔ کہ اللہ نے جبرائیلؑ کو بھیجا، جبرائیل سے اللہ کے نبی ﷺ تک اور پھر ہم تک پیغام پہنچا۔ نبیؐ کے دِل پر نازل ہوُا۔ جبرائیلؑ روح االامین تھے اور اللہ کے نبیؐ صادق اور امین تھے۔ پوری کی پوری وحی اللہ کے نبیؐ کے ذریعے ہم تک پہنچی۔ مکمل محفوظ طریقے سے مُستند شُدہ کتاب ہم تک پہنچی۔

یہ مکمل ترین اور محفوظ ترین کتاب ہے جس کا چودہ سو سال سے ایک لفظ یا حرف بھی تبدیل نہیں ہوُا۔ جس کی حفاظت کا ذمّہ اللہ نے خود لیا ہے۔

اب دین والوں کی ذمّہ داری ہے کہ اس کو اُسی طرح آگے پہنچائیں جو صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی ہو۔ کسی ایک فرقے اور فقہ کے بارے میں نہ ہو۔

علمی باتیں بتائی جائیں، گرائمر اور تجوید بھی سکھائی جائے لیکن فوکس اور توجہ عمل میں تبدیلی کے بارے میں ہو۔

ایک دفعہ ایک جن نے اللہ کے نبیؐ کو بہت پرانے نبیؑ کے زمانے کا سلام کیا کیونکہ جنوں کی عمریں لمبی ہوتی ہیں۔ اللہ کے نبیؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اللہ تمہیں اس امانت کی حفاظت پر اجر عطا کرے۔

بعض اوقات لوگ ہم سے کہہ دیتے ہیں کہ فلاں کو میرا سلام کہہ دینا۔ تو آپ اُس امانت کی ذمّہ داری دھیان سے لیں اور پھر سلام پہنچائیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ آپ کہہ دیں کہ اگر یاد رہا تو کہہ دونگی۔ یا پھر ایسے کہہ دیں کہ کئی لوگوں نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔

بعض اوقات لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے دعائیں کریں۔ آپ ایسے کام کریں کہ لوگ آپ کے لئے دِل سے دعائیں کریں۔ یا پھر جب کوئی کہے اُسی وقت اُن کے لئے دعا کر دیں۔

بعض اوقات لوگ دین سے دُور ہوتے ہیں۔ قرآن پاک سے نہیں جڑے ہوتے۔ دین کے علم سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے لیکن کہیں ملیں گے تو کہہ دینگے کہ ہمارے لئے دعا کریں۔

آپ پھر اُن کے لئے یہی دعا کر دیں کہ اللہ انہیں دین سے اور دینی علم سے جوڑ دے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ امانت پر بات ہو رہی ہے۔ جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں تو پورا کریں۔ سلام اور دعا بھی امانت ہیں۔ کسی کی بات بھی امانت ہے۔ شعوری طور پر پہلے سوچیں پھر امانت یا سلام آگے پہنچائیں۔ حج یا عمرے پر کوئی جائے تو بھی دھیان سے دعاؤں کے وعدے کریں۔

ایک اور اہم بات یہ کہ کسی کو نظر لگی ہے یا حسد کی وجہ سے کچھ ہوُا ہے۔ یا کوئی اور بات ہے۔ آپ اپنا فتویٰ نہ دیں۔ اللہ کو پتا ہے کسی کو کیا ہوُا ہے؟ یا کسی کی بد دعا لگی ہے۔ یہ غیب کے معاملات ہیں۔ آپ اپنی رائے نہ دیں۔

کسی کے منہ پر اُس کی تعریف نہ کریں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو کُند چُھری سے کاٹ دینا۔ مثال کہ آپ کسی شادی پر گئی ہیں۔ وہاں کسی کو بہت سجے سنورے دیکھا۔ تو ایسی تعریف نہ کریں جس سے آپ کی پکڑ ہو جائے۔ آپ اُن کو دُعا دیں۔ بارک اللہ کہہ دیں۔ ماشاء اللہ کہہ دیں۔ اگر وہ اگلے دِن بیمار ہو گئیں تو یہ نہ کہیں کہ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی اُس کو نظر لگ گئی ہو گی۔

بات اُن تک پہنچے گی تو وہ کچھ غلط سوچ لیں گی۔

اصل میں سوچنا تو یہ چاہیئے کہ مجھ سے ایسا کونسا گناہ ہوُا کہ میں بیمار پڑ گئی اور قرآن کلاس میں نہ جا سکی۔ سوچ تو یہ ہونی چاہیئے کہ میں سج سنور کر شادی میں گئی اور اللہ کی حدود توڑیں۔ اس لئے اللہ نے بخار کے ذریعے میری آزمائش کی یا تکلیف دی اور نیکی کا موقع ضائع کر دیا۔۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ کی تہجد چھوٹ گئی تو وہ رو رہے تھے کہ مجھ سے ایسی کونسی غلطی یا گناہ ہوُا کہ میرا نیکی کرنے موقع چھوٹ گیا۔

اپنے لفظوں کی حفاظت کریں۔ کسی کے دماغ میں غلط خیال نہ ڈالیں۔ سوچ سمجھ کر بات کریں۔ دوسروں کو شک میں نہ ڈالیں۔

اللہ کے کلام کو حفاظت سے آگے پہنچائیں۔

" وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا " یہ عربی کا خوبصورت (باب) جملہ ہے۔ " اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا"

نوٹ کریں کہ جہاں بنی اسرائیل کے نبیوںؑ کا ذِکر آیا وہاں موسیٰؑ کا نام نہیں آیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ایک تو اس لئے کہ اگلی لائن میں نمایاں ہو جائے، تکریم کی وجہ سے۔ دوسری وجہ سے موسیٰؑ کے ذِکر کے ساتھ تورات کا ذِکر آیا۔ اور یہ کہ اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ یہ موسیٰؑ کی توصیف کی گئی ہے۔ کیا آپ کو اس بات پر رشک آرہا ہے کہ اللہ نے موسیٰؑ سے کلام کیا؟

ہمیں تو اپنے اوپر رشک آنا چاہیئے کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو اللہ ہم سے باتیں کرتا ہے۔ اور جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو ہم اللہ سے باتیں کرتے ہیں۔ آپ اپنے رَبّ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں؟

تہجد کے وقت اُٹھ کر نماز پڑھیں اور اللہ سے باتیں کریں۔ حدیث کا خلاصہ ہے کہ اللہ اُس وقت آسمانِ دُنیا پر تشریف لاتے ہیں۔ اور فرماتا ہے کوئی اپنی گناہوں کی بخشش مانگنے والا ہے؟ آؤ میں دیتا ہوں۔ ہے کوئی بیمار جو مجھے اپنے دُکھ دَرد سُنائے؟ آؤ میں اُسے شفا دیتا ہوں؟ (ہم سارا دِن ڈاکٹروں کے پاس چکر لگائینگے لیکن اللہ سے نہیں مانگتے)۔

کم از کم اللہ سے توفیق تو مانگیں کہ اللہ آپ کو تہجد کے وقت اُٹھ کر دعا مانگنے کی توفیق دے۔ یا پھر بستر پر بیٹھ کر تو دُعا کریں۔ عافیت کی، صحت کی، مشکلات میں آسانی کی، آزمائش سے نکلنے کی، فتنوں سے بچاؤ کی، صراطِ مستقیم کی۔ استغفار کی۔

حدیثِ رسولؐ ہے کہ جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لیتا ہے اللہ اُسے تین چیزیں ضرور دیتا ہے۔ دِل کے اندیشے سے آزادی (وسوسے ختم) اللہ ہر تنگی سے نکال دے گا۔ وہاں سے رزّق (رشتے، مال) دے گا جہاں سے بندہ گمان بھی نہیں کرتا۔

تو آپنے لئے لازم کرلیں کہ استغفار کی دعائیں کثرت سے کریں۔

استغفار کرنے سے اللہ دین اور دُنیا کے سارے راستے کھول دیتا ہے۔ اللہ سے باتیں کرنا سیکھیں۔ اللہ سے مانگا کریں۔

اپنے آپ کو چیک کریں کہ فون پر کتنا بولتی ہوں؟ محفل میں کتنا بولتی ہوں۔ دوسروں سے کیسے بات کرتی ہوں۔

ایمان والوں کی پہچان ہے کہ وہ بندوں سے کم بات کرتے ہیں۔ وہ اپنی ہر بات اللہ سے کرتے ہیں۔

اللہ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اللہ سے باتیں کرنے والا بنا دے۔ آمین

قرآن اللہ کا کلام ہے۔ احمد بن حنبلؒ کے دور میں ایک فرقہ معتزلہ یعنی دین سے نکلے ہوئے تھا۔ وہ اللہ کی صفات پر شک رکھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے۔ احمد بن حنبلؒ کے دَور میں یہ فرقہ حکومت میں تھا۔ معتزلے فرقے والے امام احمد بن حنبلؒ کو مجبور کرتے کہ قرآن کو مخلوق مانو۔ بہت کوڑے مارتے تھے۔ جیل میں ڈال دیئے گئے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے دین کی حفاظت کا کام نہ چھوڑا۔ ظلم برداشت کیے۔ لوگ اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دِن ایک شخص نے اُن سے کہا کہ اب تو آپ اِس قدر مجبور ہیں تو اس حالت میں کہہ دیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ آپ نے فرمایا جیل کے باہر دیکھو لوگ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ عالم کی ذمّہ داری ہے کہ اللہ کا دین صحیح صحیح لوگوں تک پہنچائے۔

امام احمد کی زندگی میں ایک ایسا دور آیا تھا جس نے ان کی عظمت کردار کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اس فتنے کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے یہ سوال آیا کہ اللہ کے کلمات مخلوق ہیں یا غیر مخلوق؟ اولاً اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ مخلوق نہیں ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تمہارا قرآن عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا کلمہ کہتا ہے، لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام قرآن کے مطابق غیر مخلوق قرار پائے۔ یعنی ان کے بارے میں الوہیت کا وہ عقیدہ جو عیسائیوں میں رائج ہے، وہ قرآن کے مطابق بالکل درست عقیدہ ہے۔ اس الجھن کے سامنے آنے کے بعد حکومت نے یہ موقف سختی سے اپنا لیا کہ قرآن مخلوق ہے، یعنی اللہ کے سب ہی کلمات مخلوق ہیں۔ حکومت نے یہ کوشش بھی کی کہ اسی رائے سے سب علمائے اُمّت متفق ہو جائیں۔ چنانچہ اس کی خاطر پہلے علما کو

قائل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ کئی علمانے یہ موقف اختیار کر لیا۔ جن علمانے بغیر کسی شرعی دلیل کے اس موقف کو ماننے سے انکار کر دیا، ان پر پھر خوب ظلم وستم ڈھایا گیا تاکہ وہ خلق قرآن کے قائل ہو جائیں۔

امام احمد کو اسی رائے کا قائل کرنے کے لیے طرموس سے قید و بند کی حالت میں بغداد لایا گیا۔ ان کے پیروں میں کئی بھاری بیڑیاں پہنا کر انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ پھر ان کو جب سزا کے لیے معتصم باللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو پہلے درباری علمانے اور خود معتصم نے بھی ان کو عقیدۂ خلق قرآن اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے درباری علمانے ان سے مناظرہ بھی کیا۔ آپ اپنے مخالفین کی ساری دلیلوں کے جواب میں ایک ہی بات کہتے تھے کہ تم اپنی بات کے حق میں کتاب وسنت کی کوئی دلیل پیش کرو تو میں مان لوں گا۔ ان کی یہ استقامت دیکھ کر خلیفہ معتصم باللہ نے اِن کو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا اور اس نے جلادوں کو یہ حکم دیا کہ وہ امام احمد کو کوڑے لگائیں۔

امام احمد خود بیان کرتے ہیں کہ معتصم باللہ کے حکم پر کئی جلادوں نے مجھے کوڑے لگائے۔ ہر جلاد مجھے دو کوڑے پوری قوت سے لگاتا اور پیچھے ہٹ جاتا پھر نیا جلاد آتا۔ اس طرح مجھے بہت سے کوڑے لگائے گئے۔ ہر کوڑے پر مجھے غشی طاری ہو جاتی تھی۔ جب کوڑے لگانے بند کر دیے جاتے تو میں ہوش میں آجاتا اور دیکھتا کہ معتصم باللہ میرے پاس موجود ہے اور کہہ رہا ہے کہ احمد تم لوگوں کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ دوسرے حاضرین ان سے مخاطب ہو کر کہتے کہ خلیفہ تم سے درخواست کر رہے ہیں اور تم ان کی بات ٹھکرا رہے ہو۔ امام احمد کہتے ہیں کہ میرے کان میں ان کی باتیں پڑ رہی تھیں، مگر میں کسی بات پر دھیان نہ دیتا تھا۔ میرا اِصرار صرف اس قدر تھا کہ میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس

کے رسولؐ کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو، میں تمھاری بات تبھی مان سکتا ہوں۔ اس پر مجھے خوب مارا جاتا، بالآخر مار کی شدت سے میرے ہوش و حواس باقی نہ رہے اور تکلیف کا احساس تک ختم ہو گیا۔ اس سے خلیفہ خوف زدہ ہو گیا اور اس نے میری رہائی کا فرمان جاری کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس فرمان کے جاری ہونے تک جلاد مجھے کل اسّی کوڑے اپنے پورے زور و قوت کے ساتھ لگا چکے تھے۔ بہر حال، اس کے بعد مجھے رہا کر دیا گیا۔ امام صاحب کو اس فتنے کے دوران ۲۸ سے ۳۰ مہینے تک جیل میں قید رکھا گیا اور یہ وقت سخت مشقت میں گزارنا پڑا۔

اس عظیم آزمائش سے جو امام احمدؒ کی ہمت اور ان کے حوصلے کا غیر معمولی نمونہ تھی سے اُن کی شہرت و مقبولیت میں بڑا اضافہ ہوا۔

ہمارے لئے سبق ہے کہ حق بات کریں۔ صحیح علم دیں۔ آپ بہت قیمتی ہیں۔ اپنی قدر پہچانیں۔